سورۃ البقرہ، آیت: ۲۸۲ میں مذکور احکام و مسائل کا مفسرین کی آراء کی روشنی میں تحقیقی مطالعہ

A Research Study of the Rulings and Issues Mentioned in Surah Al-Baqarah, verse 282, in the Light of the Opinions of the Commentators

Dr. Hafiz Muhammad Arshad Habib [1]
Muhammad Hassnain Arshad[2]

Abstract:

Islam is a complete code of life that encompasses all aspects of human affairs. The Holy Quran not only commands worship and related rulings but also addresses various other matters, including financial transactions. In Islam, economic dealings hold great significance. The Islamic economic system is unparalleled, and in our everyday transactions, loans (debt) hold particular importance. Surah Al-Baqarah, verse 282 of the Holy Quran, provides detailed rulings on transactions and debts. This verse is known as Ayat al-Dayn (the verse of debt). In the first part of this verse, it is stated that when you deal with debt among yourselves, it should be written down. It further states that a time period should be fixed in debt transactions, followed by the conditions for recording the debt. Then, the principles and regulations for witnesses are elaborated.This paper presents an interpretative study of the rulings and issues derived from Surah Al-Baqarah, verse 282, and discusses the resulting impacts and benefits.

Keyword: *Tafseer, Fiqh, Islamic Finance, Debt, Testimony, Documentation*

دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں انسانی معاملات کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں عبادات کا حکم اور اس سے متعلق احکام بیان فرمائے گئے ہیں وہاں معاملات کو بھی بیان فرمایا گیا ہے، دین اسلام میں معاشی معاملات کو بہت اہمیت حاصل ہے اسلام کے معاشی نظام کی نظیر نہیں ہے، اور ہمارے روزمرہ لین دین کے معاملات میں دَین (قرض) کو بہت اہمیت حاصل ہے قرآن مجید کی سورۃ البقرہ کی آیت: 282 میں لین دین سے متعلق تفصیلی احکام بیان فرمائے گئے ہیں۔ مقالہ ہذا میں سورۃ البقرۃ کی آیت: 282 سے اخذ شدہ احکام و مسائل کا تفسیری مطالعہ کیا گیا ہے اور اس سے حاصل ہونے والے نتائج واثرات بیان کیے گئے ہیں، قرآن مجید کی سورۃ البقرہ کی آیت: 282 میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُؕ-وَ لْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ۪-وَ لَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْۚ-
وَ لْيُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَ لْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَ لَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْــٴًـاؕ-فَاِنْ كَانَ الَّذِیْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ
فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِؕ-وَ اسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْۚ-فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّ امْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ
اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰىؕ-وَ لَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْاؕ-وَ لَا تَسْــٴَـمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰۤى اَجَلِهٖؕ-ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ
اللّٰهِ وَ اَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَاؕ-وَ اَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ۪-
وَ لَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّ لَا شَهِيْدٌ۬ؕ-وَ اِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْؕ-وَ اتَّقُوا اللّٰهَؕ-وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُؕ-وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ[3]

---

[1]. Assistant Professor, Department Islamic Studies, NCBA&E, Sub Campus, Multan
[2]. M.Phil. Scholar, Department Islamic Studies, NCBA&E, Sub Campus, Multan
[3]القرآن، 282:2

اے ایمان والو جب تم ایک مقرر مدت تک کسی دَین کا لین دَین کرو تو اسے لکھ لو اور چاہیے کہ تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا ٹھیک ٹھیک لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اسے اللہ نے سکھایا ہے تو اسے لکھ دینا چاہیے اور جس بات پر حق آتا ہے وہ لکھاتا جائے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ رکھ نہ چھوڑے پھر جس پر حق آتا ہے اگر بے عقل یا ناتواں ہو یا لکھا نہ سکے تو اس کا ولی انصاف سے لکھائے اور دو گواہ کر لو اپنے مردوں میں سے پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ایسے گواہ جن کو پسند کرو کہ کہیں ان میں ایک عورت بھولے تو اس ایک کو دوسری یاد دلا وے اور گواہ جب بلائے جائیں تو آنے سے انکار نہ کریں اور اسے بھاری نہ جانو کہ دین چھوٹا ہو یا بڑا اس کی میعاد تک لکھت کر لو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے اور اس میں گواہی خوب ٹھیک رہے گی اور یہ اس سے قریب ہے کہ تمہیں شبہہ نہ پڑے مگر یہ کہ کوئی سردست کا سودا دست بدست (ہاتھوں ہاتھ) ہو تو اس کے نہ لکھنے کا تم پر گناہ نہیں اور جب خرید و فروخت کرو تو گواہ کر لو اور نہ کسی لکھنے والے کو ضرر دیا جائے نہ گواہ کو (یا نہ لکھنے والا ضرر دے نہ گواہ) اور جو ایسا کرو تو یہ تمہارا فسق ہو گا اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

سورۃ بقرہ کی آیت دَین کا تعارف:

اس آیت کو آیت مداینہ کہتے ہیں، یہ قرآن مجید کی سب سے طویل آیت ہے، یہ آیت قرآن کے معاشی اقتصادی اور مالیاتی پہلوؤں کو واضح کرتی ہے۔ اس آیت مبارکہ میں دَین کے معاملات کو ذکر کیا گیا ہے مثلاً کتابت کے احکام اور مقروض کی ذمہ داری اور شہادت کے اصول، یعنی جب کسی چیز کو مدت معلومہ کے ادھار کے طور پر بیچا جائے تو بائع اور مشتری کسی تیسرے شخص سے لکھوالیں کہ رقم کتنی اور کس وقت ادا کرنی ہے اور اس تحریر پر دو مردوں اور ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنا لیا جائے ان تمام معاملات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ علامہ قرطبیؒ المتوفی 671ھ تفسیر قرطبیؒ میں لکھتے ہیں: کہ یہ آیت مبارکہ باون (52) احکام پر مشتمل ہے۔ اور اس سے ہمارے بعض علماء نے قرضوں میں مدت مقرر کرنے کے جواز پر استدلال کیا ہے، کیونکہ انہوں نے قرض اور تمام عقود مداینات میں کوئی فرق نہیں کیا، اور شوافع نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے انہوں نے کہا کہ اس آیت میں تمام قرضوں میں تاجیل کے جواز اور اس کے ممتنع ہونے کے بارے میں دوسری دلیل سے جانا جاتا ہے۔[4] ملاجیونؒ المتوفی 1130ھ تفسیرات احمدیہ میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اگرچہ اپنے ظاہری معنیٰ و مفہوم کے اعتبار سے ہر قسم کے دَین کو شامل ہے، خواہ مبیع ہو یا ثمن مگر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ اس سے مراد بیع سلم ہے۔[5] قاضی ثناءاللہ پانی پتی المتوفی 1225ھ تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں:

"یہ آیت بیع مطلق، بیع سلم، اجارہ، قرض، بلکہ نکاح، خلع اور صلح کو شامل ہے۔"[6]

مفتی محمد شفیع عثمانی المتوفی 1396ھ تفسیر معارف القرآن میں لکھتے ہیں: کہ اس آیت مبارکہ میں بہت سے احکام آئے ہیں بعض فقہاء نے بیس سے زائد اہم فقہی مسائل اس آیت سے نکالے ہیں۔[7] تاہم اس آیت مبارکہ میں مذکور مسائل کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا جائے گا تاکہ ہم اپنے مالیاتی معاملات کو شریعت کے مطابق طے کر سکیں۔

---

[4] القرطبیؒ، محمد بن احمد ابو عبداللہ، علامہ (م 671ھ) الجامع لاحکام القرآن المعروف التفسیر القرطبیؒ، مطبوعہ، دار الکتب العربی، بیروت لبنان، 1430ھ، ج3، ص: 359

[5] ملاجیون، احمد بن ابو سعید، شیخ (م 1130ھ)، التفسیرات الاحمدیہ، مطبوعہ مکتبۃ الشرکہ، س ن، ص: 122

[6] المظہری، محمد ثناءاللہ، قاضی (م 1225 ھ) التفسیر المظہری، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان، 1425ھ، ج1، ص: 451

[7] عثمانی، محمد شفیع، مفتی (م 1396ھ) معارف القرآن، کراچی 14، ادارۃ العارف، 1429ھ، ج1، ص: 688

لین دَین کی فضیلت احادیث کی روشنی میں:

احادیث مبارکہ میں بھی کثرت کے ساتھ ادھار کے لین دَین کی فضیلت اور اس کی ادائیگی کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے ان میں سے چند فرامین رسول ﷺ درج ہیں:

1- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَدَاءَهَا أَدَّى اللَّهُ عَنْهُ وَمَنْ أَخَذَ يُرِيدُ إِتْلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللَّهُ[8]

"حضرت ابوہریرہ نبی مکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے لوگوں کا مال اس کے ادا کرنے کی نیت سے لیا، تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا کر دیتا ہے اور جو شخص اس کو ضائع کرنے کی نیت سے لے تو اللہ تعالیٰ اس کو تباہ کر دیتا ہے۔"

2- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يقول قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ[9]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔"

آیت مبارکہ میں مذکور احکام و مسائل کو درج ذیل عنوانات کے تحت بیان کیا گیا ہے:

i. کتابت دَین
ii. مقررہ مدت
iii. کتابت دَین کی شرائط
iv. شہادت کے اصول و ضوابط
v. عورت کی گواہی

ان مذکورہ عنوانات کو مرحلہ وار بیان کیا جائے گا اور مفسرین کی آراء کو بیان کرنے کے بعد آخر میں ان کا نتیجہ پیش کیا جائے گا۔

کتابت دَین:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ"۔

"اے ایمان والو جب تم ایک مقرر مدت تک کسی دَین کا لین دَین کرو تو اسے لکھ لو۔"

مفسرین نے لفظ دَین کو ذکر کرنے کی چند وجوہ بیان کی ہیں۔ پہلی وجہ: امام بغوی المتوفی ۵۱٦ھ تفسیر معالم التنزیل میں لکھتے ہیں:

---

[8] البخاری، محمد بن اسماعیل (م256ھ) الجامع المسند الصحیح المختصر من أمور رسول اللهﷺ وسننه وأيامه =الصحيح البخارى، مطبوعہ، دار طوق النجاۃ، 1422ھ، ج3ص:1151

[9] البخاری، الصحیح البخاری، ج3، ص:118

اللہ رب العزت نے لفظ دَین کو بطور تاکید ذکر کیا ہے[10] جیسے اللہ تعالی کا فرمان(فَسَجَدَالْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ)[11] پس سر بسجود ہو گئے سارے کے سارے فرشتے۔اور(وَلَاطَٓبِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ)[12] اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہے اپنے پروں سے۔دوسری وجہ: امام محمود بن عمر الزمخشری المتوفی 538ھ تفسیر الکشاف میں لکھتے ہیں: کہ لفظ دَین کا ذکر اس لیے کیا تاکہ ضمیر اس کی طرف لوٹ آئے اگر اس کا ذکر نہ ہوتا تو یوں کہنا لازم ہوتا(فَاكْتُبُوْهُ الدَين)دَین لکھ لیا کرو۔تو نظم عبارت میں حسن نہ رہتا۔[13] علامہ محمود بغدادی آلوسی المتوفی 1270ھ نے تفسیر روح المعانی میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔[14]

تیسری وجہ: قاضی ثناءاللہ پانی پتی المتوفی 1225ھ تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں: یہاں پر لفظ دَین کو اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ تَدَايَنْ سے جزاء دینے کا وہم پیدا نہ ہو، ساتھ ہی(فَاكْتُبُوْهُ) کا مرجع بھی بنے، لفظ دَین نکرہ ہے جو شرط کے ضمن میں واقع ہے، تو یہ ہر دَین کو عام ہوگا، وہ ثمن ہو یا مبیع، کیلی، وزنی ہو یا کوئی اور ادھار ہو یا نقد۔[15] ابو بکر احمد بن علی المتوفی 370ھ احکام القرآن میں لکھتے ہیں: کہ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ کا حکم ادھار کا لین دَین کرنے والوں کے لیے ہے۔اللہ تعالی کے فرمان(بِدَيْنٍ) کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ (بِدَيْنٍ) کو ذکر کرنے کی وجہ کیا ہے جبکہ تَدَايَنْ کے بغیر نہیں ہوتا؟اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ لفظ(بِدَيْنٍ)اور(تَدَايَنْتُمْ) یہ مشترک لفظ ہے اس میں یہ احتمال موجود ہے کہ لفظ دَین جزاء کے معنی میں ہے جیسے اللہ تعالی کا فرمان(مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ)یعنی جزاء کے دن کا مالک، اسی طرح لفظ(تَدَايَنْتُمْ) بمعنی تجازیتم (ایک دوسرے کو بدلہ دو)ہوگا، تو اللہ نے لفظ دَین کے ذریعے اس میں لفظی اشتراک دور کیا اور اس کو ادھار کے لین دَین میں منحصر کر دیا۔اور اس میں یہ بات بھی ممکن ہے کہ لفظ(بِدَيْنٍ) کو تاکید کے ساتھ ذکر کیا ہو تاکہ اس کا معنی لوگوں کے ذہن میں آجائے۔[16]

دَین کا معنی:

علامہ قرطبی المتوفی 671ھ تفسیر قرطبی میں لکھتے ہیں: دَین سے مراد ہر وہ معاملہ ہے جس میں دو عوضوں میں سے ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار ہو، کیونکہ عربوں کے نزدیک عین وہ ہے جو حاضر ہو، اور دَین وہ ہے جو غائب ہو، جیسا کہ شاعر نے کہا:

وَعَدَتْنَا بِدِرْهَمَيْنَا طِلَاءً ... وَشِوَاءً مُعَجَّلًا غَيْرَ دَيْنِ[17]

علامہ ابن عابدین المتوفی 1252ھ رد المحتار میں دَین کی تعریف یوں کرتے ہیں: جو چیز کسی عقد یا کسی چیز کے ضائع یا ہلاک کرنے سے کسی پر واجب ہو گئی ہو یا کسی چیز کو قرض لینے کی وجہ سے کسی کے ذمہ لازم ہو گئی ہو تو وہ دَین ہے، اور دَین میں مدت کا مقرر کرنا واجب ہے۔[18]

---

[10] البغوی، الحسین بن مسعود، ابو محمد، (م516ھ)، معالم التنزیل المعروف التفسیر البغوی، مطبوعہ دار طیبہ، الریاض، 1409ھ، ج1، ص:348

[11] القرآن، 30:15

[12] القرآن، 38:6

[13] الزمخشری، محمود بن عمر، الامام(م538ھ)التفسیر الکشاف، دار الکتاب العربی، بیروت لبنان، 2012ء، ج1، ص:247

[14] آلوسی، سید محمود شہاب الدین، مفتی(م1270ھ)، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، مطبوعہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان 1415ھ، ج3، ص:54

[15] المظہری، التفسیر المظہری، ج1، ص:451

[16] الجصاص، احمد بن علی ابو بکر، الرازی(م370ھ)احکام القرآن، مطبوعہ، بیروت، لبنان، 1417ھ، ج2، ص:206

[17] القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج3، ص:359

[18] ابن عابدین، محمد امین، علامہ(م1252ھ)، رد المحتار علی الدر المختار، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1407ھ، ج4، ص:166

قرض اس ادھار کو کہتے ہیں جس میں مدت کا تعین کرنا لازم نہیں ہوتا۔[19] علامہ غلام رسول سعیدی المتوفی 1437ھ تفسیر تبیان القرآن میں لکھتے ہیں: نقد کو عربی میں عین کہتے ہیں، ادھار کو دَین کہتے ہیں۔[20]

علامہ ملا جیون المتوفی 1130ھ تفسیرات احمدیہ میں قرض اور دَین کے درمیان فرق کے بارے لکھتے ہیں: کہ قرض اپنی جنس سے ہوتا ہے مثلاً کسی نے کسی سے اس شرط پر ایک درہم قرض لیا کہ وہ کل اس کے عوض میں ایک درہم واپس کرے گا تو یہ مدت کی تعیین کو قبول نہیں کرتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب درہم بطور قرض لینے والے نے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہیں فلاں تاریخ کو درہم واپس کردوں گا تو درہم لینے والا اس سے مقررہ تاریخ سے پہلے بھی مطالبہ کر سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات میں قرضِ حَسن کو بطور ندب واستحباب دینے کا حکم دیا ہے، قرض حسن کا مطلب یہ ہے کہ قرض دینے والا اپنی طرف سے واپسی کا مطالبہ نہ کرے اور قرض دار واپس کرتا ہے تو اس سے زیادہ وصول نہ کرے۔ دَین وہ ہوتا ہے جس میں جنس کا اختلاف ہو اور واجب فی الذمہ ہو، اس میں مطالبہ اس وقت کرنے کی اجازت ہوتی ہے جب مدت مقررہ گزر جائے، جیسا کہ کسی فروخت شدہ چیز کی قیمت وغیرہ شاید اسی فرق کو واضح کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے (اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ) ارشاد فرمایا تا کہ قرض اس سے خارج ہو جائے۔[21] علامہ ابن عابدین المتوفی 1252ھ رد المحتار علی الدر المختار میں لکھتے ہیں: جو چیز کسی عقد کی وجہ سے یا کسی چیز کو ضائع کرنے کی وجہ سے کسی شخص پر واجب ہوگئی ہو یا کوئی چیز قرض لینے کی وجہ سے کسی کے ذمہ لازم ہو گئی ہو تو وہ دَین ہے، دَین قرض سے عام ہے دَین میں مدت کا مقرر کرنا واجب ہوتا ہے خواہ مدت معلوم ہو یا مجہول ہو، اگر جہالت معمولی ہے تو یہ جائز ہے مثلاً فصل کی کٹائی کرنے کا وقت اور اگر غیر معمولی جہالت ہو تو یہ جائز نہیں مثلاً آندھی آنے کے وقت یا بارش کے وقت۔ اور قرض میں مدت کا مقرر کرنا لازم نہیں ہوتا یعنی اگر قرض میں مدت مقرر کر دی جائے تو وہ غیر لازم ہونے کے باوجود صحیح ہے اور قرض دینے والا مدت مقرر کرنے کے بعد بھی اس سے رجوع کر سکتا ہے۔[22]

مفتی محمد شفیع عثمانی المتوفی 1396ھ معارف القرآن میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ اس میں یہ اصول بتایا گیا ہے کہ ادھار کے معاملات کی دستاویز لکھنی چاہیے تا کہ بھول چوک کے وقت یا انکار کے وقت کام آسکے۔[23]

کتابت دَین کا شرعی حکم اور مفسرین کی آراء:

اللہ تعالیٰ کا فرمان (فَاكْتُبُوْهُ) قرض لکھ لیا کرو۔ ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی المتوفی 516ھ تفسیر معالم التنزیل میں لکھتے ہیں:

"جمہور فقہاء ومجتہدین کی رائے یہ ہے کہ لکھنا مستحب ہے۔"[24]

---

[19] حوالہ سابق:

[20] سعیدی، غلام رسول، علامہ (م2016ء) تبیان القرآن، مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور، 2008ء، ج1، ص:1003

[21] ملا جیون، التفسیرات الاحمدیہ، ص:122

[22] ابن عابدین، رد المحتار علی الدر المختار، ج4، ص:177

[23] عثمانی، معارف القرآن، ج1، ص:285

[24] البغوی، معالم التنزیل، ج1، ص:349

علامہ قرطبیؒ المتوفی 671ھ تفسیر قرطبیؒ میں (فَاكْتُبُوْهُ) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان (فَاكْتُبُوْهُ) میں یہ واضح فرمادیا کہ تمہاری تحریر ایسی ہو جو معاملے کو واضح کردے اور اس اختلاف کو دور کردے جو دو باہم معاملات کرنے والوں کے درمیان ہو سکتا ہے۔ وہ ایسی تحریر ہو جب فریقین اپنا معاملہ حاکم کے سامنے پیش کریں تو وہ تحریر حاکم کی ایسی راہنمائی کرے کہ جس کے مطابق وہ فیصلہ کر سکے۔[25] علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں: بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ لکھنا واجب ہے ۔[26] عبداللہ بن احمد نسفی المتوفی 710ھ تفسیر نسفی میں لکھتے ہیں: کہ مسلمانوں کی اکثریت خرید وفروخت بغیر تحریر اور گواہی کے کرتی ہے مسلمانوں کے اس عمل سے پتہ چلا کہ تحریر اور گواہی لازم نہیں بلکہ مستحب ہے اور اس کا لزوم مسلمانوں پر بڑی شدت پیدا کردے گا۔[27] حالانکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے (بُعِثْتُ بالحنيفيةِ السمحة)[28] مجھے آسان دِین دے کر بھیجا گیا ہے۔ ملاجیون المتوفی 1130ھ تفسیرات احمدیہ میں (فَاكْتُبُوْهُ) کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں: دَین کی کتابت کے متعلق جمہور مفسرین کا نظریہ ہے کہ یہ حکم ندب واستحباب کیلئے ہے وجوب کیلئے نہیں کیونکہ دَین اور سلم دونوں اس کے بغیر جائز ہیں ہمیں کتابت کا حکم اس لئے دیا گیا تاکہ یہ معاہدہ اور لین دَین نسیان سے دور رہے اور اس میں انکار کی گنجائش نہ رہے اور کتابت کا حکم درحقیقت دَین کے فریقین کیلئے ہے اور کاتب کے اختیار سے ہے، فریقین صرف ایسے کاتب سے لکھوائیں جو فقیہ ہو اور دین دار ہونے کے ساتھ ساتھ کسی کی رُو رعایت نہ کرنے والا ہو تاکہ وہ ایسی تحریر لکھے جو متفق علیہ ہو۔[29] قاضی ثناءاللہ پانی پتی المتوفی 1225ھ تفسیر مظہری میں (فَاكْتُبُوْهُ) کے تحت لکھتے ہیں: جمہور علماء کا قولِ ندب واستحباب نقل کرنے کے بعد امام شعبی کا قول لکھتے ہیں کہ امام شعبی نے لکھا کہ قرض کا لکھنا اور گواہ بنانا یا رہن رکھنا فرض ہیں۔ پھر یہ سب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے منسوخ ہوگئے (فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ)[30] اگر تم میں سے بعض بعض سے مطمئن ہو پس چاہئے کہ جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے وہ امانت واپس کر دے۔ قاضی ثناءاللہ پانی پتی اپنی رائے قائم کرتے ہیں کہ ناسخ وہ ہوتی ہے جو بعد میں نازل ہو جبکہ یہ ایسے نہیں بلکہ دونوں آیتیں اکٹھی نازل ہوئیں یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ لکھنے کا حکم اور اس جیسی دوسری چیزیں مستحب ہیں۔[31] سید محمود بغدادی آلوسی المتوفی 1270ھ تفسیر روح المعانی میں بھی اسی طرح لکھتے ہیں۔[32] علامہ سعادت علی قادری اپنی تفسیر: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا میں لکھتے ہیں: یہ ایک قانون ہے جسے کتابت کا قانون یا قانونِ وثیقہ نویسی کہتے ہیں، جس کے نفاذ کے بعد ظاہر ہے کہ کاتب کی ضرورت پیدا ہوئی اور اس کی اہمیت میں اضافہ ہوا، کیونکہ نہ نزول قرآن کے دور میں ہر شخص لکھنا جانتا تھا اور نہ ہی آج تک سو فیصد لوگ جانتے ہیں اس کے علاوہ قانون کا اندازِ تحریر عام تحریر سے مختلف

---

[25] القرطبیؒ، الجامع لاحکام القرآن، ج3، ص:364

[26] حوالہ سابق:

[27] النسفی، عبداللہ بن احمد بن محمود، ابوالبرکات (م710ھ) التفسیر مدارک التنزیل وحقائق التاویل المعروف تفسیر نسفی، مطبوعہ دارالکلم الطیب، بیروت، 1419ھ، ج1، ص:227

[28] احمد بن حنبل، الامام (م241ھ) مسند الامام احمد بن حنبل، موسسۃ الرسالہ، بیروت، 1416ھ، ج1، ح2229، 36ص:624

[29] ملاجیون، التفسیرات الاحمدیہ، ص123

[30] القرآن، 2:283

[31] المظہری، التفسیر المظہری، ج1، ص:345

[32] آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ج2، ص:90

ہوتا ہے جس کے ماہر ہر دور میں مخصوص لوگ ہی ہوتے ہیں ہمارے دور میں انہیں لوگوں کو منشی اور وثیقہ نویس کہا جاتا ہے یا یہ کام رجسٹرار اور وکلاء انجام دیتے ہیں۔[33]

کتابت دَین کی اہمیت:

اگر وقت مقرر سے مطالبہ مؤخر اور نسیان عارض ہو گیا اور انکار ہو گیا تو تحریر دونوں طرف سے حفاظت مال کا سبب ہے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں پیر محمد کرم شاہ الازھری المتوفی 1419ھ تفسیر ضیاء القرآن میں لکھتے ہیں: جب ادھار کا لین دَین ہو تو اس کو لکھ لیا جائے، کیونکہ بعض اوقات انسان لکھنے سے شرماتا ہے لیکن بعد میں طرح طرح کی غلط فہمیاں اور رنجشیں پیدا ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ نوبت لڑائی جھگڑے اور مقدمات تک پہنچتی ہے، لیکن اگر معاملہ تفصیلات یعنی مقدار، قسم اور ادائیگی کا مقررہ وقت لکھ لیا جائے تو پھر ان مفاسد سے بچا جا سکتا ہے۔ فقہی اصطلاح میں اگرچہ اسے واجب نہ کہا جائے لیکن اہمیت اور افادیت سے کسی کو انکار نہیں کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے جو شخص تحریر نہیں کرتا اور اس کا حق ضائع ہو جائے تو اُسے کوئی اجر نہ ملے گا اور اس نے اپنا حق غصب کرنے والے کے لیے بد دعا کی تو وہ قبول نہ ہو گی کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے اس واضح ارشاد کی تعمیل نہیں کی۔[34]

مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے: کہ جب معاملہ ادھار کا ہو خواہ لین دَین قرض کا ہو یا خرید و فروخت کا رقم پہلے دی ہو اور مال بعد میں لینا ہو یا اس کے برعکس، اسی طرح دکان یا مکان کرایہ پر لیتے ہوئے ایڈوانس یا کرایہ کا معاملہ ہو اس طرح کی تمام صورتوں میں معاہدہ لکھ لینا چاہیے اگرچہ ان کو لکھنا فرض یا واجب نہیں لیکن اس پر عمل کرنا بہت سے فسادات سے بچاتا ہے، آج کے اس زمانے میں اس حکم پر عمل کرنا اہم ہو چکا ہے، کیونکہ دوسروں کا مال کھا جانا معاہدوں سے مکر جانا ہر طرف عام ہو چکا ہے قرآن کے اس حکم پر عمل کر لیا جائے تو معاشرے میں جو اس قسم کے جھگڑے فسادات ہوتے ہیں ان کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

مدت کو مقرر کرنے کا حکم:

اب ہم آیتِ مذکورہ میں دوسرا مسئلہ دَین میں مدت کا مقرر کرنا اس کو ذکر کریں گے۔ علامہ زمخشری المتوفی 538ھ تفسیر الکشاف میں اجل کا لغوی معنیٰ لکھتے ہیں: کہ مدت مقرر کرنے سے مراد مدت معلوم ہو ابتدائی مدت ہو یا انتہائی مدت اور مدت ثمن میں اور بیع سلم میں مقرر کرنا لازم ہے تاکہ صاحب حق وقت سے پہلے مطالبہ نہ کرے۔ غیر معین مدت کے لئیے ادھار دینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں جھگڑے اور فساد کا دروازہ کھلتا ہے اسی وجہ سے فقہاء کرام نے کہا کہ میعاد بھی ایسی مقرر ہونی چاہیے جس میں کوئی ابہام نہ ہو مہینہ، سال اور تاریخ کے ساتھ معین کی جائے کوئی مبہم میعاد نہ رکھے، مثلاً کھیتی کٹنے کا وقت کیونکہ وہ موسم کے اختلاف کی وجہ سے آگے پیچھے ہو سکتا ہے یا حاجیوں کے آنے تک۔[35] امام فخر الدین الرازی المتوفی 604ھ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں: وہ وقت جو مدت گزرنے کے لیے طے ہو، انسان کی اجل اس کی اختتامِ عمر کا وقت ہے، دَین کی اجل مستقبل میں مقررہ وقت ہے اور اس کی اصل مؤخر کرنا ہے جب کسی چیز کو مؤخر کیا جائے تو کہا جاتا ہے أَجِلَ الشَّيْءُ

[33] قادری، سعادت علی، سید، تفسیر یاایہاالذین امنوا، مطبوعہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، 2003ء، ج1، ص:311

[34] الازہری، پیر محمد کرم شاہ، علامہ، (م1418ھ) ضیاء القرآن، لاہور، ضیاء القرآن پبلیکیشنز گنج بخش، 1995ء، ج1، ص:197

[35] الزمخشری، التفسیر الکشاف، ج1، ص:248

یُأجلُ ۔[36]احمد بن علی ابو بکر جصاص المتوفی 370ھ احکام القرآن میں لکھتے ہیں: اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی کا معنٰی معلوم مدت ہے۔[37]یہاں پر بطور دلیل حدیث مبارکہ کو لے کر آتے ہیں کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد ہے(من أسلمَ فليسلمْ في كيلٍ معلومٍ ووزنٍ معلومٍ إلى أجلٍ معلومٍ) [38]جو شخص بیع سلم کرنا چاہے وہ معلوم کیل معلوم وزن اور معلوم مدت تک بیع سلم کرے۔علامہ نظام الدین نیشاپوری المتوفی 728ھ تفسیر غرائب القرآن میں بھی اسی طرح لکھتے ہیں۔[39]مفتی محمد شفیع عثمانی المتوفی 1396ھ معارف القرآن میں لکھتے ہیں: جب بھی ادھار کا معاملہ کیا جائے تو اس کی میعاد مقرر کی جائے کیونکہ مجہول مدت کیلئے ادھار کا لین دَین جائز نہیں کیونکہ اس میں جھگڑے اور فسادات بڑھنے کا خدشہ ہے۔[40]

جمہور مفسرین کے نزدیک بیوع کی اقسام:

(1) عین کی بیع عین کے ساتھ اسے مداینہ نہیں کہا جا سکتا۔(2) دَین کی بیع دَین کے ساتھ یہ بیع باطل ہے اور یہ اس آیت کے تحت داخل نہیں ہے۔ باقی دو اقسام اس آیت کے تحت داخل ہیں اور وہ یہ ہیں۔(3) عین کی بیع دَین کے ساتھ مثلاً کسی نے ثمن مؤجل کے ذریعے بیع کی۔(4) دَین کی بیع عین کے ساتھ اس بیع کا نام بیع سلم ہے۔[41]

کتابت دَین کا شرعی حکم اور کاتب کی ذمہ داری:

وَ لْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ۪- وَ لَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ

اور چاہیے کہ تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا ٹھیک ٹھیک لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اسے اللہ نے سکھایا ہے تو اسے لکھ دینا چاہیے۔اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچانا اللہ کے ہاں عظیم نیکی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ۔

جیسا کہ احادیث مبارکہ میں آیا ہے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم تیرے علم سے اگر اللہ کسی کو فائدہ پہنچائے تو یہ تیرے لیے سرخ اونٹوں کے حاصل کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔[42](اور یہاں صرف علم شرعی مراد نہیں ہر وہ علم مراد ہے جو لوگوں کو نفع دے) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جس سے علم کی بات پوچھی گئی اور اس نے اسے چھپایا تو قیامت والے دن اسے آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔[43]علامہ زمخشری المتوفی 538ھ تفسیر الکشاف میں لکھتے ہیں: (1) دَین کو لکھنے والا اس طرح لکھے کہ حقیقی دَین سے کمی بیشی نہ ہو ایسی واضح تحریر لکھے جو پڑھی جا سکے تاکہ ضرورت کے وقت کام آ سکے۔(2) دَین کو لکھنے والا اگر فقیہ یعنی عالم ہو تو ایسے طریقے سے لکھے کہ دونوں فریق مطمئن ہو جائیں۔(3) انصاف کے ساتھ لکھنے کے معنٰی میں بعض فقہاء نے یہ بیان کیا ہے کہ ایسی تحریر لکھے کہ جس میں اہل علم کا اتفاق ہو تاکہ قاضی مجتہدین کے اختلاف سے فائدہ اٹھا کر فریقین میں سے کسی کی حق تلفی نہ کر

---

[36] الرازی، محمد بن عمر بن الحسین، الامام (م 604ھ)، مفاتیح الغیب المعروف التفسیر الکبیر، بیروت لبنان، س ن، ج 7، ص: 95

[37] الجصاص، احکام القرآن، ج 2، ص: 207

[38] البخاری، صحیح البخاری، ج 1، ص: 299

[39] النیشاپوری، حسن بن محمد بن حسین، نظام الدین (م 728ھ) تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1416ھ، ج 2، ص: 74

[40] عثمانی، معارف القرآن، ج 1، ص: 685

[41] النیشاپوری، تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان، ج 2، ص: 73

[42] ابو داؤد، سلمان ابن اشعث، امام، (م 275ھ) سنن ابی داؤد، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، س ن، ج 2، ص: 159

[43] ابو داؤد، سنن ابی داؤد، ج 2، ص: 159

سکے۔[44] امام فخر الدین الرازی المتوفی 604ھ نے تفسیر کبیر[45] اور علامہ قرطبی المتوفی 671ھ نے تفسیر قرطبی میں بھی اسی طرح لکھا ہے[46] امام احمد بن علی ابو بکر (م370ھ) احکام القرآن میں لکھتے ہیں: کہ لین دَین میں تحریر لازم تو نہیں لیکن اگر تحریر کی جائے تو کاتب انصاف کے تقاضے کے ساتھ احتیاط اور جس معاملے کے لیے تحریر لکھنی ہے اس کا پورا علم بھی ہو اور شریعت کے تقاضے کے عین مطابق ہو۔ اسی طرح تحریر کرنے والا فقہاء کرام کے خلاف جانے سے بچے تاکہ دونوں فریقوں کے دلوں میں اعتماد اور احتیاط پیدا ہو جائے جس کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے۔[47] اسی لیے تو تحریر کے حکم کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وَ لَا يَأْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ) مذکورہ بالا بحث سے عدل کی وجوہ جو مفسرین نے بیان کی ہیں ان سے یہ واضح ہو گیا کہ لکھنے والا فقیہ ہو اور مجتہدین کے مذاہب کو جانتا ہو، ادیب ہو صاف لکھنا جانتا ہو اور محمل اور مجمل الفاظ کو بھی پہچانتا ہو تاکہ ان سے اجتناب کیا جا سکے، اور کسی ایک فریق کی طرف داری کرنے والا نہ ہو۔ کاتب کی ذمہ داریوں کے بارے علامہ سعادت علی قادری تفسیر یاایھا الذین اٰمنوا میں لکھتے ہیں: کاتب کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ انصاف کے ساتھ لکھے، یعنی تحریر میں کوئی مبہم لفظ استعمال نہ کرے جس سے فیصلہ کرنے والے کو کوئی دشواری پیش آئے، اور دو فریقوں میں سے کسی ایک کی حق تلفی ہو بلکہ ایسے صاف ستھرے الفاظ میں وثیقہ لکھے کہ قرض لینے اور دینے والے دونوں میں سے کسی کی طرف داری نہ ہو اور نہ کسی کی حق تلفی کا امکان پیدا ہو۔ دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ کاتب کے پاس معاہدہ لکھوانے کوئی آئے تو اسے چاہیے کہ وہ انکار نہ کرے بلکہ انصاف کے ساتھ لکھے۔[48]

کاتب پر کتابت کے شرعی احکام:

آیت کا ظاہری معنیٰ تو یہی ہے کہ جو لکھنا جانتا ہو اس پر لکھنا واجب ہے لیکن تفصیلی طور پر اس میں چند اقوال قابل توجہ ہیں۔

امام فخر الدین رازی المتوفی 604ھ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں: پہلا قول: (أَنَّ هَذا عَلى سَبِيلِ الإرْشادِ إلى الأوْلى لا عَلى سَبِيلِ الإيجابِ)[49] یہ حکم بہتری کی طرف رہنمائی کے لیے ہے نہ کہ وجوبی حکم کی طرف۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے تحریر کا علم اور احکام شریعہ کی معرفت دی ہے تو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے شکرانے کے طور پر اپنے مسلمان بھائی کے دَین کا معاملہ لکھے جو اس کے لیے اہم ہے۔

دوسرا قول: (وهو قَوْلُ الشَّعْبِيِّ: أنَّهُ فَرْضُ كِفايَةٍ)[50] امام شاعبی کا قول یہ ہے کہ یہ حکم فرض کفایہ ہے۔ یعنی اگر لکھنے والا وہاں پر کوئی موجود نہ ہو تو اس پر لکھنا لازم ہے اگر اور موجود ہوں تو ایک لکھ دے تو سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔ تیسرا قول: (أنَّ هَذا كانَ واجِبًا عَلى الكاتِبِ ثُمَّ نُسِخَ بِقَوْلِهِ تَعالى: ﴿ولا يُضارَّ كاتِبٌ ولا شَهِيدٌ﴾)[51] تحریر کاتب پر واجب تھی پھر اللہ تعالیٰ کے فرمان (وَ لَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ) سے وجوب منسوخ ہو گیا۔ چوتھا قول: (أنَّ مُتَعَلِّقَ

---

[44] الزمخشری، التفسیر الکشاف، ج1، ص:249

[45] الرازی، مفاتیح الغیب، ج7، ص:96

[46] القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج3، ص:365

[47] الجصاص، احکام القرآن، ج2، ص:210

[48] سعادت علی، تفسیر یاایہاالذین امنوا، ج1، ص:312

[49] الرازی، مفاتیح الغیب، ج7، ص:97

[50] حوالہ سابق:

[51] حوالہ سابق:

الإيجابِ هو أنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ)[52] لکھنے کے وجوب کا تعلق (كَمَا عَلَّمَهُ اللهُ) سے ہے۔اب مطلب یہ ہوگا کہ لکھنے والے پر ان شرائط کے مطابق لکھنا واجب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے لکھنے کا علم عطا فرمایا ہے۔

کاتب پر کتابت کے وجوب میں مفسرین کا اختلاف:

علامہ قرطبیؒ المتوفی 671ھ تفسیر قرطبیؒ میں لکھتے ہیں: پہلا قول: کاتب پر کتابت اس وقت واجب ہے جب اسے لکھنے کا کہا جائے۔دوسرا قول: کاتب پر کتابت ایسی جگہ واجب ہے جہاں اس کے علاوہ کوئی کاتب میسر نہ ہو کیونکہ اس کے انکار سے صاحب قرض کو نقصان ہو جائے گا۔ تیسرا قول: امام ضحاک نے کہا پہلے کاتب پر کتابت اور شاہد پر شہادت واجب تھی تاہم اس آیت سے (وَ لَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّ لَا شَهِيْدٌ) یہ حکم منسوخ ہو گیا۔[53] علامہ قرطبیؒ تفسیر قرطبیؒ میں اپنی رائے لکھتے ہیں: کہ یہ ان کے نظریہ پر جاری ہوتا ہے جن کا یقین یا ظن یہ ہے کہ پہلے متبایعین میں سے جو بھی لکھنا پسند کرے اس پر لکھنا واجب تھا، اور اس کے لیے انکار جائز نہ تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد نے منسوخ کر دیا(وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّ لَا شَهِيْدٌ)اور یہ بعید ہے کیونکہ اس کا واجب ہونا ہر اس پر ثابت نہیں جو بھی متبایعین میں سے اس کا ارادہ کرے، اگر کتابت واجب ہو تی تو اس کے عوض اجرت لینا جائز نہ ہوتا کیونکہ فرائض میں سے کسی فعل پر اجرت لینا باطل ہے اور اس دستاویز کے لکھنے پر اجرت لینے کے جواز میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔[54] احمد بن علی ابو بکر المتوفی 370ھ احکام القرآن میں لکھتے ہیں: لین دَین میں تحریر اگرچہ کوئی حتمی چیز نہیں بلکہ یہ ایک مستحب صورت ہے، پھر بھی اگر یہ تحریر لکھی جائے تو تحریر کے جو اصول ہیں اس کے مطابق تحریر لکھی جائے ۔اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ(اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھو لیا کرو) یہ آیت فرض اور نوافل دونوں قسم کی نمازوں کو شامل ہے۔ نفل کی نماز واجب نہیں ہے پھر بھی کوئی شخص اس کے پڑھنے کا ارادہ کرے گا تو حدیث کی صورت میں نماز کی تمام شرطوں اور اس کے تمام ارکان کو پورا کرنے کے ساتھ اس کی ادائیگی کر سکے گا، اسی طرح دَین کے سلسلے میں دستاویز کی تحریر اور گواہوں کو قائم کرنا واجب نہیں لیکن اگر یہ عمل کر لیا جائے تو لکھنے والے کے لیے لازم ہے کہ ایسے لکھے جیسے اللہ تعالیٰ نے اسے لکھنے کا حکم دیا ہے۔[55] ابو بکر جصاص کہتے ہیں کہ ایک اجنبی شخص پر کیسے تحریر واجب ہو سکتی ہے جس شخص کا اس عقد میں ذاتی کوئی تعلق ہی نہیں۔[56] قاضی ثناء اللہ پانی پتی المتوفی 1225ھ نے تفسیر مظہری میں بھی یہی لکھا۔[57]

ان اقوال کا مطلب یہ ہوا کہ اے کاتب جب کوئی تیرے علاوہ دوسرا کاتب موجود نہ ہو تو تجھ پر فرض ہے کہ دَین کا معاملہ کرنے والے تجھ سے لکھنے کا مطالبہ کریں تو لکھ دے، تیرے علاوہ کوئی اور موجود ہو تو لکھنا تجھ پر فرض تو نہیں لیکن تیرے لیے مستحب ہے کہ تو آگے بڑھ کر لکھ

---

[52] حوالہ سابق:

[53] القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج3، ص:365

[54] حوالہ سابق:

[55] الجصاص، احکام القرآن ،ج2، ص:209

[56] حوالہ سابق:

[57] المظہری، التفسیر المظہری، ج1، ص:457

دے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کا تو شکر یہ ادا کر سکے تو یہ تکلیف سے بچانے کے لیے تجھ سے وجوب ٹوٹ گیا لیکن تو لکھنا چاہیے تو تجھ پر عدل وانصاف سے لکھنا واجب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے عدل وانصاف کا حکم دیا ہے۔

بیع سلم کا بیان:

مذکورہ آیت مبارکہ میں کیونکہ بیع سلم کا ذکر آیا ہے تو اس لیے یہاں پر مختصر بیع سلم کا ذکر کیا جائے گا اس کے بعد جو ہمارا ٹاپک ہے اسی کو بیان کیا جائے گا۔امام احمد بن علی ابو بکر جصاص المتوفی 370ھ احکام القرآن میں لکھتے ہیں: بیع سلم ان چیزوں میں جائز ہے جن کی صفت اور مقدار مقرر کی جاسکتی ہے جیسے ناپ تول اور گنتی میں آنے والی چیزیں مثلاً گندم، چاول، کپڑا اور پتھر وغیرہ لہذا جانور، چمڑا اور ہیرے جواہر میں بھی بیع سلم جائز نہیں، یہ ضروری ہے کہ ساری قیمت پیشگی ادا کر دی جائے اگر قیمت میں بھی ادھار ہو اور مال میں بھی ادھار، تو یہ ادھار کے بدلے ادھار ہوا اس میں یہ شرط ضروری ہے کہ مال کی جنس، قسم، صفت اور مقدار مقرر کر دی جائے مثلاً اگر گندم ہے تو کون سی گندم اور کتنی گندم اور یہ بھی طے کیا جائے کہ کب مال دیا جائے گا۔امام احمد بن علی ابو بکر المتوفی 370ھ احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ بیع سلم واجب نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص بیع سلم کرنا چاہے تو اس پر ان شرائط کو پورا کرنا واجب ہو گا۔[58] علامہ زمخشری المتوفی 538ھ تفسیر الکشاف میں لکھتے ہیں: کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ اس دَین سے مراد بیع سلم ہے۔اور انہوں نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام فرمایا ہے تو بیع سلم کو مباح قرار دیا ہے، اور انہیں سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیع سلم کو مقررہ مدت کے ساتھ جائز قرار دیا ہے اور اس کے بارے میں طویل ترین آیت کریمہ نازل فرمائی ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ بیع سلم میں مدت کا ذکر شرط ہے۔[59] حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے (فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ، وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ، إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ)[60] یعنی بیع سلم بعض شرائط کے ساتھ جائز ہے جب کہ اس کی پیمائش وزن یا مدت معلوم ہو اور جگہ بھی معلوم ہو۔علامہ غلام رسول سعیدی المتوفی 1437ھ تفسیر تبیان القرآن میں لکھتے ہیں: مذکورہ آیت میں دَین کا ذکر ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ یہ آیت بیع سلم کے متعلق نازل ہوئی ہے اس لیے ہم بیع مطلق، بیع سلم کی پہلے تعریفات کو ذکر کریں گے۔[61] کسی چیز کی قیمت پہلے وصول کر لی جائے اور وہ چیز خریدار کو کچھ مدت کے بعد مقررہ تاریخ کو دی جائے تو یہ بیع سلم ہے۔ایک چیز کا دوسری چیز سے باہمی رضامندی کے ساتھ تبادلہ کو بیع کہتے ہیں۔جس چیز کو بیچا یا خریدا جائے اس کو مبیع کہتے ہیں۔قیمت کو ثمن کہتے ہیں۔[62]

آج کے معاشرے میں معاہدوں اور وثیقوں کی تحریر کا غلط استعمال:

علامہ سعادت علی قادری تفسیر یاایھاالذین آمنوا میں لکھتے ہیں: آج کل معاشرے میں معاہدوں اور وثیقوں کی تحریر دنیاوی قانون کا ایک اہم حصہ ہے اسی وجہ سے معاہدہ نویسی اور وثیقہ نویسی ایک پیشہ بن چکا ہے، ہر ملک میں کاتبین بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں اور عدالتوں میں ان

[58] الجصاص، احکام القرآن، ج2، ص:209

[59] الزمخشری، التفسیر الکشاف، ج1، ص:248

[60] البخاری، الصحیح البخاری، ج1، ص: 199

[61] السعیدی، تبیان القرآن، ج1، ص:1003

[62] حوالہ سابق:

کی تحریریں انتہائی قابل قبول ہوتی ہیں ان کی تحریروں پر ججوں کے فیصلوں کا انحصار ہوتا ہے۔ لیکن جس طرح معاشرے میں دوسرے افراد بد عنوانیوں کا شکار ہیں اسی طرح کاتبین بھی طرح طرح کی بدعنوانیوں میں مبتلا ہو چکے ہیں، دولت کی لالچ نے ان کے فن کے تقدس کو پامال کر دیا ہے، وہ ایک شخص سے کچھ پیسے لے کر ایسے انداز میں قانونی الفاظ کا استعمال کرتے ہیں کہ دوسرے کی آسانی کے ساتھ حق تلفی ہو جاتی ہے۔ باقاعدہ طور پر اوتھ کمشنر کا گروہ وجود میں آگیا ہے جن کا کام قَسمیہ کاغذات تیار کرنا ہے اور ان کی قسمیہ تحریروں کو قانونی حیثیت حاصل ہے، اور وہ کچھ پیسوں میں ایسے سرٹیفکیٹ کا اجراء کر دیتے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا، وہ لکھوانے والے کو جانتے تک نہیں بس جو وہ لکھواتا ہے لکھ دیتے ہیں اور فیس وصول کر لے تے ہیں۔ شریعت میں ایسی قَسمیں یا تحریروں کی کوئی حیثیت نہیں ہے ان کا لکھوانے اور لکھنے والا دونوں ہی گنہگار ہیں، اور ان سے حاصل ہونے والی دولت بھی قطعی طور پر حرام ہے۔ پس مسلم اوتھ کمشنر کو یا تو مکمل طور پر اس پیشے سے بچنا چاہیے یا پھر شرعی دائرے میں رہتے ہوئے ذمہ داری پوری کرنی چاہیے، اور لکھوانے والوں کے لیے بھی ایسے پیشہ ور لوگوں سے محتاط رہنا ضروری ہے جب بھی کوئی معاہدہ لکھوائیں اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھیں وہی بات لکھوائیں جو متعقدین میں مقرر ہو چکی ہو اس میں کمی بیشی کا باہمی رضامندی کے بغیر کسی ایک کو اختیار نہیں ہے۔[63]

وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَ لْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَ لَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۔ ترجمہ: اور جس شخص پر قرض ہو لکھوانا اس کی ذمہ داری ہے اور اس کو اللہ سے ڈرنا چاہیے جو اس کا رب ہے' اور اس (قرض) سے کچھ کم نہ کرے اور اگر مقروض کم عقل ہو یا کمزور ہو یا وہ خود لکھوانے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی (سرپرست) عدل سے لکھوادے۔

وَلْيُمْلِلِ کی لفظی تحقیق:

امام فخر الدین رازی المتوفی 604ھ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں: الإِمْلَالُ اور الإِمْلَاءُ ایک ہی معنی ہے لکھوانا۔ بنی حجاز اور بنی اسد کی لغت میں الإِمْلَالُ استعمال ہے جیسا کہا جاتا ہے (أَمْلَلْتُ عَلَيْهِ الكِتَابَ) میں نے اس سے خط لکھوایا، اور بنی تمیم بنی قیس کی لغت میں الإِمْلَاءُ استعمال ہے قرآن پاک میں دونوں لغتوں کو استعمال کیا گیا ہے، یہاں اس آیت کریمہ میں وَلْيُمْلِلِ استعمال ہے جس کا معنیٰ ہے (چاہیے کہ لکھوائے) اور دوسرے مقام میں استعمال ہے (فَهِىَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا)[64] تو ان پر صبح اور شام لکھا جاتا ہے، یہاں املاء کا معنی ہے لکھوانا۔[65] علامہ قرطبی المتوفی 671ھ نے تفسیر قرطبی میں بھی اسی طرح لکھتے ہیں۔[66]

وَ لَا يَبْخَسْ کی لفظی وضاحت:

علامہ راغب اصفہانی المتوفی 502ھ المفردات فی غریب القرآن میں لکھتے ہیں:

بَخْسٌ کا معنی ہے گھٹیا اور ناقص چیز، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا (وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ)[67]

---

[63] سعادت علی، تفسیر یا ایہا الذین آمنوا، ج1، ص:312

[64] القرآن، 5:25

[65] الرازی، مفاتیح الغیب، ج7، ص:97

[66] القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج3، ص:366

[67] القرآن، 20:12

اور بھائیوں نے یوسف کو حقیر سی قیمت چند درھموں کے بدلے بیچ دیا۔اور بَخْس کا معنی کسی چیز کو ظلما کم کرنا یا گھٹانا بھی ہے۔قرآن مجید کی دوسری آیات سے اس کا معنٰی و مفہوم بھی ملتا ہے(وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ)[68]اور یہاں ان کے صلہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔اور(وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ)[69]اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو۔اور زیر بحث آیت میں وَ لَا يَبْخَسْ اسی معنٰی میں استعمال ہے جس پر حق ہے وہ اس حق سے کوئی چیز نہ گھٹائے، ورنہ جس کا حق ادا کرنا ہے اس پر ظلم ہوگا۔[70] السَّفِيه کا معنٰی: امام فخر الدین رازی التوفی 604ھ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں: (السَّفِيهِ على الضَّعِيفِ الرَّأْيِ ناقِصِ العَقْلِ مِنَ البالِغِينَ)[71] بالغ لوگوں میں سے جس کی رائے ضعیف اور عقل ناقص ہو اس شخص کو سفیہ کہا جاتا ہے۔ضعیف کا معنٰی: امام فخر الدین رازی التوفی 604ھ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں: (، والضَّعِيفِ عَلى الصَّغِيرِ والمَجْنُونِ والشَّيْخِ الخَرِفِ، وهُمُ الَّذِينَ فَقَدُوا العَقْلَ بِالكُلِّيَّةِ)[72]ضعیف وہ چھوٹا بچہ، مجنون اور بہت زیادہ بوڑھا جس کی عقل مکمل طور پر زائل ہو چکی ہو۔

لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ کا معنی: امام فخر الدین رازی التوفی 604ھ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں: (،والَّذِي لا يَسْتَطِيعُ أنْ يُمِلَّ مَن يَضْعُفُ لِسانُهُ عَنِ الإمْلاءِ لِخَرَسٍ، أوْ جَهْلِهِ بِمالِهِ وما عَلَيْهِ)[73] جس کی زبان میں گونگا پن کی وجہ سے ضعف ہو کہ وہ لکھانے کی طاقت نہ رکھے یا جہالت کی وجہ سے اسے علم حاصل نہ ہو کہ میرے لیے کیا حقوق ہیں اور مجھ پر کیا حقوق ہیں۔

مذکورہ آیت میں ولی سے مراد کون ہے؟ علامہ زمخشری التوفی 538ھ تفسیر کشاف میں لکھتے ہیں: ولی سے مراد وہ شخص ہے جو اس مقروض کے امور کا ذمہ دار ہو اور اسکے قائم مقام ہو جبکہ وہ مقروض بچہ ہو یا بوڑھا، ناقص العقل ہو یا ولی سے مراد وکیل اور مترجم ہوگا اگر وہ خود اسکی استطاعت نہیں رکھتا۔[74]سید محمود بغدادی آلوسی 1270ھ نے تفسیر روح المعانی میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔[75]

مذکورہ بحث کا حاصل یہ ہے: کہ کتابت دَین مقروض پر لازم ہے کیونکہ جب وہ لکھوائے گا تو وہ دَین کی مقدار، جنس اور صفت کی ادائیگی کے وقت کا اقرار کرے گا تو تحریر پختہ ہو جائے گی اور جھگڑے کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوگی، اسی لیے اللہ نے فرمایا(وَ لْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ) معاملات میں مقروض کبھی کم عقل، بہت بوڑھا، نابالغ بچہ، گونگا اور دوسری زبان بولنے والا ہوتا ہے تو اسکی طرف سے کتابت اس کے ولی پر لازم ہوگی اور ولی پر لازم ہے کہ وہ انصاف کے ساتھ لکھوائے۔

4۔شہادت کے اصول وضوابط کا بیان:

اللہ تعالیٰ نے دَین کے عقد میں جس طرح ہمیں کتاب کا حکم دیا اسی طرح ہمیں گواہ بنانے کا بھی حکم دیا ہے۔اگر متعقدین میں سے کوئی انکار کرے تو گواہوں کی طرف رجوع کیا جاسکے، کیونکہ حق بات کو ثابت کرنے اور باطل کو باطل ثابت کرنے کیلئے کبھی گواہی دینا واجب بھی ہو

[68]القرآن، 15:11

[69]القرآن، 85:7/، 80:11، 183:26

[70]الاصفہانی، الراغب، حسین بن محمد، ابوالقاسم (م 502ھ) المفردات فی غریب القرآن، مطبوعہ، مکتبہ نزار مصطفی الباز، س ن، ج 1، ص؛48

[71]الرازی، مفاتیح الغیب، ج 7، ص:98

[72]حوالہ سابق:

[73]الرازی، مفاتیح الغیب، ج 7، ص:98

[74]الزمخشری، التفسیر الکشاف، ج 1، ص:249

[75]آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ج 3، ص:56

جاتی ہے، اور کبھی سچی گواہی کو چھوڑنا گناہ میں شمار ہوتا ہے کیونکہ کسی کے حق میں گواہی دینا حقوق العباد میں سے ہے اور ہماری اپنی بھلائی کیلئے بھی ہے، کیونکہ اللہ نے ایک انسان کی ضرورت دوسرے انسان کے ساتھ ملادی ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے سامنے ایک جنازہ گزرا تو لوگوں نے اس کی اچھائی بیان کی تو آپ ﷺ نے فرمایا واجب ہو گئی، دوسرا جنازہ گزرا تو لوگوں نے اس کی برائی بیان کی تو آپ ﷺ نے فرمایا واجب ہو گئی، لوگوں نے عرض کی اس کے متعلق بھی واجب ہو گئی! تو آپ ﷺ نے فرمایا مسلمان زمین پر اللہ کے گواہ ہیں۔[76] صحیح مسلم میں حدیث مبارکہ ہے: کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا اچھے گواہ وہ ہیں جو بغیر پوچھے ہی گواہی دیں۔[77] بخاری اور مسلم کی حدیث ہے: کہ بدترین گواہ وہ ہیں جن سے گواہی نہ لی جائے وہ خود گواہی دینے کے لیے بیٹھ جائیں۔[78]

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّ امْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَ لَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ

ترجمہ: اور تم اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ بنالو، پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (ان کو گواہ بنالو) جن کو تم گواہوں سے پسند کرتے ہو کہ ان دو میں سے کوئی ایک (عورت) اگر بھول جائے تو اس ایک کو دوسری یاد دلادے اور جب گواہوں کو (گواہی کے لیے) بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔

شہادت کا معنیٰ: (اَلشُّهُوْدُ والشَّهادَةُ اَلْحُضُوْرُمَعَ الْمُشَاهَدَةِ اِمَّا بِالْبَصَرِاَوْ بِا لْبَصِيْرَةِ)[79] بصیرت سے یا آنکھوں کے ساتھ دیکھنے سے جس چیز کا علم حاصل ہو اس کے خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں۔

شہادت کے بارے مفسرین کی آراء:

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المتوفی 593ھ شہادت کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شہادت کی تین اقسام ہیں: عینی شہادت، سمعی شہادت، شہادت علی الشہادت، (1) عینی شہادت یعنی گواہ اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوئے کسی واقعہ کو بیان کرے۔ (2) سمعی شہادت یعنی گواہ سنی ہوئی چیز کی شہادت دے جن کا تعلق مسموعات سے ہو۔ (3) شہادت علی الشہادت یعنی عینی شاہد کسی کو اپنی شہادت پر گواہ بنائے تب یہ گواہ اصل کی شہادت دے سکتا ہے۔[80]

مذکورہ آیت کے اس حصہ میں گواہوں کی دو اقسام بیان کی گئی ہیں۔

پہلی قسم: گواہ دو مرد ہوں۔ دوسری قسم: اگر دو مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنائی جائیں۔ اس جگہ پر دو عورتوں کو ایک مرد کے قائم مقام کیا گیا (یعنی دو مرد ہی گواہ ہیں) دو عورتوں کو ایک مرد کے قائم مقام کرتے وقت ان کے ساتھ ایک مرد کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ملاجیون المتوفی 1130ھ تفسیرات احمدیہ میں لکھتے ہیں: آیت کریمہ کے اس حصہ کا پہلا فعل یعنی اسْتَشْهِدُوْا کا فَاكْتُبُوْهُ پر عطف ہے جس

[76] البخاری، الصحیح البخاری، ج 1، ص: 360

[77] ۔ مسلم، مسلم بن الحجاج بن مسلم ابوالحسین، الامام (م 261ھ) الصحیح المسلم، مطبوعہ، قدیمی کتب خانہ کراچی، اشاعت، 1375ھ، ج 2، ص: 77

[78] البخاری، الصحیح البخاری، ج 1، ص: 361

[79] الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ج 1، ص: 353

[80] المرغینانی، علی بن ابو بکر، ابوالحسن (م 593ھ) الھدایۃ، مطبوعہ، مکتبہ نعمانیہ، ملتان، ج 3، ص: 177

سے مفہوم یہ حاصل ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے (دَین) کے عقد میں جس طرح ہمیں کتابت کا حکم دیا اسی طرح اس نے گواہ بنانے کا بھی حکم دیا ہے، تاکہ انکار کی صورت میں ان گواہوں کی طرف رجوع کیا جاسکے اور اسے دلیل بنایا جائے۔[81] علامہ سید سعادت علی قادری تفسیر یاایھا الذین اٰمنوا میں لکھتے ہیں: یہ شہادت کا قانون ہے جس کے نفاذ سے گواہوں کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔اب ان کو قانونی حثیت حاصل ہو گئی ہے، مقدمات کے فیصلوں کا انحصار تحریری معاہدوں کے باوجود گواہوں کی گواہی پر ہوتا ہے لہذا شاہد پر گواہی کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے کہ جب انہیں گواہی کیے لئے طلب کیا جائے تو وہ انکار نہ کریں، کیونکہ گواہی گواہ کے پاس درحقیقت اس شخص کی امانت ہے جس کو اس سے حق حاصل ہونے کا یقین ہو اگر اس نے گواہی نہ دی تو گویا اس نے حق دار کے حق کو تلف کیا ہے اسی لئے گواہی چھپانے کی بھی ممانعت کی گئی ہے اسے سخت گناہ قرار دیا گیا۔[82]

عورت کی شہادت کے متعلق فقہاء کی آراء :

بعض معاملات میں صرف مردوں کی گواہی معتبر ہوتی ہے عورتوں کی نہیں جیسا کہ علامہ ابن قدامہ المتوفی 620ھ لکھتے ہیں:

"زنا کو ثابت کرنے کے لیے چار آزاد مسلمان مردوں کا گواہ ہونا ضروری ہے،اس میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا یہی نظریہ ہے۔"[83]

علامہ کمال الدین حنفی المتوفی 861ھ لکھتے ہیں:

"قصاص اور حدود میں کم از کم دو آزاد اور مسلمان مردوں کا گواہ ہونا ضروری ہے اور عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔"[84]

آگے لکھتے ہیں کہ احناف کے نزدیک حقوق مالی کے علاوہ نکاح، طلاق، وصیت، عدت اور صلح وغیرہ میں بھی دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے ساتھ جائز ہے، قصاص اور حدود کے علاوہ باقی معاملات میں دو عورتوں کو ایک مرد کے ساتھ گواہ بنانا جائز ہے۔اور امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک عورت کو گواہ بنانا ان معاملات میں جائز نہیں ہے۔[85]

عورت کی انفرادی گواہی :

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المتوفی 593ھ ھدایہ اخیرین میں لکھتے ہیں:

"جن معاملات پر مرد مطلع نہیں ہو سکتے مثلاً حیض، عدت، رضاعت، ولادت، بکارت اور عورتوں کے عیوب وغیرہ ان معاملات میں صرف ایک عورت کی گواہی بھی جائز ہے۔"[86]

ملاجیون المتوفی تفسیرات احمدیہ میں لکھتے ہیں:

---

[81] ملاجیون، التفسیرات الاحمدیہ، ص:125

[82] سعادت علی، تفسیر یاایھاالذین اٰمنوا، 1:313

[83] ابن قدامہ، موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ، علامہ، (م620ھ) المغنی، مطبوعہ دارالفکر، بیروت، 1404ھ، ج10، ص:155

[84] ابن ہمام، کمال الدین حنفی، علامہ، (م861ھ)، فتح القدیر، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر، س ن، ج6، ص:450

[85] ابن ہمام، فتح القدیر، ج6، ص:451

[86] المرغینانی، الھدایۃ، ج4، ص:155

"عورتوں کی گواہی انفرادی طور پر صرف ان باتوں میں لی جاسکتی ہے جن باتوں پر مرد مطلع نہیں ہو سکتے مثلاً ولادت، لڑکی کا کنواری ہونا یا نہ ہونا، اور عورتوں کے عیوب وغیرہ ان معاملات میں ایک عورت کی گواہی بھی قبول ہے۔"[87]

مالی معاملات میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی شہادت مقرر کرنے کی وجوہات:

مردوں کی بنسبت عورتیں فطری طور پر کم عقل اور کم حوصلہ والی ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی ایک آنکھوں دیکھی بات ہے کہ عدالت میں جب عورتیں گواہی دینے آتی ہیں تو مخالف وکیل کے جو اعتراضات ہوتے ہیں انہیں سن کر گھبرا بھی جاتی ہیں اور رونا بھی شروع کر دیتی ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے عورتوں سے فرمایا کہ: اے عورتو صدقہ کیا کرو میں نے مردوں سے زیادہ عورتوں کو جہنم میں دیکھا ہے، عورتوں نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ کیا وجہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا تم زیادہ لعنت کرنے والی ہو شوہر کی نافرمانی کرنے والی ہو اور تم اپنے عقل اور دین کے کم ہونے کے باوجود سمجھ دار مرد کی مت مار دیتی ہو، عورتوں نے عرض اے اللہ کے رسول ﷺ ہمارا عقل اور دین کیسے ناقص ہے آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہاری گواہی مرد کے مقابلہ میں آدھی نہیں، کہنے لگیں ہاں اے اللہ کے رسول ﷺ فرمایا یہ تمہارے عقل کے ناقص ہونے کی وجہ سے ہے پھر فرمایا: کیا تم حالت حیض میں نماز روزہ چھوڑ دیتی ہو؟ یہ تمہارے دین کا ناقص ہونا ہے۔ جیسا کہ علامہ غلام رسول سعیدی المتوفی 2016ء نے ان کے متعلق چند وجوہ لکھی ہیں:

پہلی وجہ: مدعیٰ علیہ کے خلاف عدالت میں گواہی دینا بہت بڑی بہادری کی بات ہے، کیونکہ فطری طور پر اس وقت وہ فریق اس گواہی دینے والے کا دشمن بن جاتا ہے، اور وہ فریق گواہ کو ڈراتا اور دھمکاتا بھی ہے اب ایسے مواقع پر گواہ کا بہادر اور حوصلے والا ہونا ضروری ہے، لیکن وکلاء بیان کرتے ہیں کہ عدالتوں میں پچانوے فیصد مقدمات میں گواہی کے لیے پیش ہونے والی عورتیں یا تو رو پڑتی ہیں یا گھبرا کر اول فول باتیں کرتی ہیں، کیونکہ ان کے اندر حوصلہ کم ہوتا ہے اسی وجہ سے ان کو سپہ سالار، جنرل اور کمانڈر نہیں بنایا جاتا دنیا میں صرف چند عورتیں پائلٹ ہیں، چونکہ مخالف فریق کے خلاف گواہی دینا بہت حوصلہ کا کام ہے ہمت، دلیری اور شجاعت کے تمام کام مردوں کے سپرد کیے جاتے ہیں، اسی وجہ سے اسلام نے یہ کام اصلۃً اور بالذات مردوں کے سپرد کیا ہے کیونکہ مرد فطرۃً قوی، جرت مند اور دلیر ہوتا ہے مخالف فریق کے دباؤ سے متاثر نہیں ہوتا اور بغیر کسی ہچکچاہٹ کے گواہی دیتا ہے۔ اگر کسی معاملہ کے وقت دو مرد میسر نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ عدالت میں مخالف فریق کی جرح یا اس کے خوف سے عورت اپنی طبعی کمزوری سے گھبرا کر کچھ کا کچھ کہہ دے تو دوسری عورت اس کو صحیح بات یاد دلا دے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى) اسلام نے جو زندگی کا نظام بنایا ہے وہ چونکہ فطری تقاضوں کو پورا کرتا ہے اسی وجہ سے ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی رکھی گئی ہے[88] دوسری وجہ: کاروبار کے معاملات میں پیچیدگیاں اور لین دین کی جو ضروری شرائط ہوتی ہیں عام طور پر ان سے مرد پوری طرح واقف

87 ملا جیون، التفسیرات الاحمدیہ، ص: 124

88 السعیدی، تبیان القرآن، ج 1، ص: 1010

ہوتے ہیں اس کے برعکس چونکہ فطری طور پر عورتیں صرف گھریلو امور کی ماہر ہوتی ہیں، اور دنیاوی معاملات میں عورتیں براہ راست ملوث نہیں ہوتی اور نہ ہی ان سے مکمل طور پر واقف ہوتی ہیں، اسی لیے لین دَین اور معاہدہ کے وقت مخالف فریق یہ چاہتا ہے کہ ایسے معاملات پر تجربہ کار اور جو گواہی کے اہل شخص ہوں وہ گواہی دیں، پہلے دو مردوں کو گواہ بنایا جائے اگر دو مرد میسر نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنایا جائے۔ اسلام چونکہ دِین فطرت ہے اس لیے اسلام نے انسانی فطرت کے مطابق گواہی کا یہ ضابطہ مقرر کیا ہے۔ تیسری وجہ: عورت چونکہ فطرتاً ایک منفعل مزاج ہوتی ہے اس لیے مخالف فریق کا وکیل جب جرح کرتا ہے تو اس موقع پر عورت کا اصل مؤقف سے پھسل جانا اور مخالف فریق کے دلائل سن کر متاثر ہو جانا زیادہ ممکن ہے۔ اس لیے اس کو اصل مؤقف پر قائم رکھنے کے لیے ایک اور گواہ کی ضرورت ہے کہ جب وہ اصل مؤقف سے پھسلنے لگے تو دوسری گواہ اس کو بروقت اصل مؤقف یاد دلادے۔[89]

عورت کی گواہی کے بارے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ:

علامہ سید سعادت علی قادری تفسیر یا ایھا الذین امنوا میں مذکورہ آیت کے تحت عورت کی گواہی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"یہاں پر ایک مرد کے مقابل دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم بظاہر یہ غلط فہمی پیدا کرتا ہے کہ ایک عورت نصف مرد کے برابر ہوتی ہے لہٰذا دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر قرار پائی۔ اس غلط فہمی کی بنیاد پر ہی یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام میں مرد کی حیثیت عورت سے اتنی زیادہ ہے کہ عورت کو مرد کا نصف سمجھا جاتا ہے۔ اس اعتراض پر اس قدر پروپیگنڈا کیا گیا کہ مسلمان عورتیں اسلام میں اپنی حیثیت کے خلاف احتجاج کرنے لگیں اور یہ تصور دیا کہ اسلام عورت کو اتنا کمزور قرار دیتا ہے کہ ایک مکمل انسان کی حیثیت بھی اسے حاصل نہیں ہے۔ یہ اعتراض اسلام دشمنی کا ایک حصہ ہے جس کا مقصد مسلمان عورتوں کو دین سے متنفر کرنا ہے۔ شہادت ایک بڑی ذمہ داری ہے جس کو پورا کرنے میں محنت بھی ہے اور بہت سارے خطرات بھی، شاہد کو گواہی دینے کے لئے جہاں بھی بلایا جائے گا، جب بھی بلایا جائے گا اسے جانا ہو گا اور وہ جس کے خلاف گواہی دے گا وہ ضرور اس کا دشمن اور مخالف ہو جائے گا۔ اسلام نے عورت پر بڑا احسان کیا کہ اسے اس محنت شاقہ اور خطرات سے محفوظ رکھا، ایسے واقعات جن میں شاہد کے لئے بہت ہی خطرات ہیں مثلاً زنا کے ثبوت میں عورت کو قطعاً نا قابل گواہی قرار دے دیا گیا کہ زنا کے اثبات کے لئے صرف چار مردوں کی گواہی قابل قبول ہو گی، ایسے ہی حدود و قصاص کے معاملات میں عورت گواہ نہیں بن سکتی کیونکہ انہی معاملات میں گواہوں کے لئے زیادہ خطرات اور دشواریاں ہوتی ہیں یہ عورت کی توہین نہیں بلکہ اس کی تخلیقی نزاکت کے مطابق اس ذمہ داری سے آزاد رکھنے کی تدبیر ہے۔ ہاں لین دَین، قرض اور دیگر معاملات نکاح، طلاق وغیرہ جیسے امور میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی گواہی معتبر ہو گی کیونکہ ان معاملات میں اختلاف ایسا نہیں ہوتا کہ جس میں خطرات زیادہ ہوں، یہاں بھی عورت کی تخلیقی نزاکت کا لحاظ رکھا گیا کہ تنہا ایک عورت پر گواہی کا بوجھ نہیں ڈالا گیا جس کی وجہ خود قرآن نے بیان فرمادی کہ عورت اپنی تخلیقی کمزوری کی

[89] السعیدی، تبیان القرآن، ج1، ص:1010

وجہ سے عدالت کے ماحول میں آکر گھبرا جائے اور واقعہ بھول جائے، اس لئے شریعت آسانی مہیا کرتی ہے کہ دوسری عورت موجود ہے جو اسے یاد دلادے گی کیونکہ وہ بھی شرعاً مکمل گواہ ہے تو عدالت کو اس کی بات تسلیم کرنا پڑے گی۔"[90]

عورت پر شریعت کا احسان:

علامہ سید سعادت علی قادری لکھتے ہیں: کہ وکلاء کے تجربہ سے یہ بات شاہد ہے کہ اکثر عورتیں عدالت میں گھبرا جاتی ہیں، بولنے سے پہلے رونا شروع کردیتی ہیں یہ کیفیت خاص طور پر مسلمان عورتوں کی زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ مسلم تہذیب میں پروردہ عورت کا چہرہ ہی نقاب میں نہیں ہوتا بلکہ حیاء وشرم کا پردہ اس کی آواز کو اس قدر دبائے ہوئے ہوتا ہے کہ اس کے لئے بولنا مشکل ہو جاتا ہے، ساتھ کھڑی عورت اس کا تعاون کرتی ہے پھر دونوں مل کر گواہی کی ذمہ داری پوری کرتی ہیں۔ اس میں غور کریں کہ یہ عورت کی توہین ہے یا اس پر شریعت کا احسان! ایک بڑی ذمہ داری پوری کرنے میں اس کا تعاون ہے۔ اگر ایک عورت کسی حالت میں گواہ بننے کی اہل نہ قرار دی جاتی تو کہا جاسکتا تھا کہ اسلام میں عورت کی توہین کی گئی ہے جب کہ رضاعت، حمل، حیض اور ایسے دوسرے زنانہ امور میں ایک ہی عورت یا چند عورتوں کی گواہی قابل قبول قرار دی گئی ہے۔[91]

قبولِ شہادت کی شرائط :

علامہ راغب اصفہانی المتوفی 502ھ شہادت کی شرائط کے حوالہ سے لکھتے ہیں: کہ (1) وہ مسلمان ہو (2) آزاد ہو (3) عاقل ہو (4) بالغ ہو (5) عالم ہو (یعنی جس چیز کی گواہی دے رہا ہو اسکا علم بھی رکھتا ہو) (6) عادل ہو (7) اسکی گواہی کا اسکی ذات کو فائدہ نہ ہو اور نہ ہی اس سے کسی نقصان کا ازالہ ہو (8) وہ کثیر غلطی میں معروف نہ ہو (9) نہ ہی ترک مروت میں مشہور ہو (10) جس کے خلاف گواہی دے رہا ہے اِس کے اور اُس کے درمیان دشمنی نہ ہو۔[92] سید ابوالاعلیٰ مودودی المتوفی 1979ء تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں: "جہاں گواہ بنانا اختیاری فعل ہو، وہاں مسلمان صرف مسلمانوں ہی کو گواہ بنائیں۔ البتہ ذمّیوں کے گواہ ذمی بھی ہو سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر کس وناکس گواہ ہونے کے لیے موزوں نہیں بلکہ ایسے لوگوں کو گواہ بنایا جائے جو اپنے اخلاق و دیانت کے لحاظ سے بالعموم لوگوں کے درمیان قابل اعتماد سمجھے جاتے ہوں"[93]

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى کی وضاحت:

سید محمود بغدادی آلوسی 1270ھ تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں:

---

[90] سعادت علی، تفسیر یاایہاالذین اٰمنوا، ج1، ص: 317/325

[91] سعادت علی، تفسیر یاایہاالذین اٰمنوا، ج1، ص: 325

[92] الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ج2، ص: 75

[93] مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، (م1978ء) تفہیم القرآن، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، س ن، ج1، ص: 220

"آیت مبارکہ کے اس حصہ میں ایک مرد کے برابر دو عورتوں کی گواہی کی وجہ بیان کی جارہی ہے کہ اگر ان میں سے ایک عورت بھولتی ہے تو دوسری یاد دلادے (أنَّ النِّسْيانَ غالِبٌ على طَبْعِ النِّساءِ لِكَثْرَةِ الرُّطُوبَةِ في أمْزِجَتِهِنَّ)"[94]

مطلب یہ ہے کہ عورتوں کی طبیت میں بھولنا کثرت سے پایا جاتا ہے کیونکہ ان کے مزاج میں برودت اور رطوبت زیادہ پائی جاتی ہے، دونوں عورتوں کا بیک وقت بھولنا عقل کے بھی خلاف ہے.

اسکی دلیل آیت مبارکہ کا یہی حصہ "اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ہے۔[95] اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان عورتوں کے متعلق کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر عورتوں میں عقل کی کمی کے باعث ہے۔وَ لَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا: اور نہ انکار کریں گواہ جب وہ گواہی کے لیے بلائے جائیں۔یعنی جب گواہوں کو گواہی کیلیئے بلایا جائے تو وہ گواہ بننے سے یا گواہ بننے کے بعد گواہی دینے سے انکار نہ کریں تاکہ لوگوں کے حقوق ضائع نہ ہوں اس آیت میں ان کو گواہ بنانے سے پہلے مجازاً مستقل کے اعتبار سے گواہ فرمایا ہے ان کا گواہی دینے کے لئے آنا فرض ہے اور گواہ بننے کیے لیے آنا مستحب ہے۔[96] سعادت علی قادری تفسیر یاایھا الذین اٰمنوا میں لکھتے ہیں وَ لَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا کے تحت: کہ گواہ بننا نہ فن ہے نہ ہی پیشہ، یہ تو اتفاق کی بات ہے کہ کسی شخص نے چلتے پھرتے کسی معاملہ کو دیکھ لیا یا کسی بات کو سن لیا پس وہ گواہ ہو گیا، اب بوقت ضرورت گواہی کا ادا کرنا لازم ہو گیا۔اس صورت میں یہ اعزاز ضرور ہے کہ جب کوئی اعتبار اور اعتماد کر کے کسی کو گواہ بننے کی دعوت دے تو دونوں صورتوں میں گواہی کا منصب اللہ کی طرف سے عطاء ہوا اللہ کی اس عطاء کردہ امانت کو چھپانا بڑا ظلم ہے[97]

عصر حاضر میں گواہی کا طریقہ:

سید سعادت علی قادری تفسیر یا ایھا الذین اٰمنوا میں لکھتے ہیں:

"ہمارے معاشرے میں جو گواہی حاصل کرنے کا طریقہ رائج ہے وہ معاشرے کی دیگر برائیوں کی طرح ایک برائی ہے، ہمارے ملک کے ہر شہر دیہات میں جھوٹوں کا ایسا ایک گروہ آگیا ہے جن کا پیشہ ہی جھوٹی گواہی دینا ہے، جو بندہ جیسی گواہی چاہے پیسے دے اور ان کو عدالت میں پیش کردے اور یہ قرآن پر ہاتھ رکھ کر اپنا سچا ہونے کا اعلان کریں، یہ لوگ نہ صرف عدالت کے ججوں کو بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو بھی دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں ایسے لوگ جس معاشرے میں موجود ہوں تو کس کو انصاف مل سکتا ہے اور کون انصاف دلا سکتا ہے جہاں عدل وانصاف نہ رہے وہاں امن وسکون کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔"[98]

وَ لَا تَسْـَٔمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰۤى اَجَلِهٖؕ- ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَاؕ-وَ اَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ۪-وَ لَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّ لَا شَهِيْدٌ۬ؕ

---

[94] آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ج3، ص:56

[95] حوالہ سابق:

[96] سعیدی، غلام رسول، علامہ، (م2016ء) تبیان الفرقان، مطبوعہ ضیاء القرآن لاہور، 2015ء، ج1، ص:597

[97] سید سعادت علی، تفسیر یاایھاالذین اٰمنوا، ج1، ص:313

[98] حوالہ سابق:

اور اسے بھاری نہ جانو کہ دین چھوٹا ہو یا بڑا اس کی میعاد تک لکھت کر لو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے اور اس میں گواہی خوب ٹھیک رہے گی اور یہ اس سے قریب ہے کہ تمہیں شبہہ نہ پڑے مگر یہ کہ کوئی سر دست کا سودا دست بدست (ہاتھوں ہاتھ) ہو تو اس کے نہ لکھنے کا تم پر گناہ نہیں اور جب خرید و فروخت کرو تو گواہ کر لو اور نہ کسی لکھنے والے کو ضرر دیا جائے نہ گواہ کو (یا نہ لکھنے والا ضرر دے نہ گواہ) اور جو ایسا کرو تو یہ تمہارا فسق ہو گا اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

ملا جیون المتوفی 1130ھ تفسیرات احمدیہ میں لکھتے ہیں: مذکورہ آیت کے اس حصہ میں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ کتابت کا اعادہ فرمایا تاکہ اس کی تاکید کر دی جائے اور اس پر عمل کرنے کے لیے ابھارا جائے، عربی زبان میں (السام)[99] ملال پریشانی اور سستی کو کہتے ہیں۔

اَنْ تَكْتُبُوْهُ" کی تحقیق: ملا جیون المتوفی 1130ھ تفسیرات احمدیہ میں لکھتے ہیں: اَنْ تَكْتُبُوْهُ کی ضمیر کا مرجع دَین یا حق یا کتاب میں سے کوئی ایک بن سکتا ہے اگر اس کا مرجع دَین یا حق کو قرار دیا جائے تو معنیٰ یہ ہو گا کہ اے دَین کا کاروبار کرنے والو تم کاروبار کی کثرت کی وجہ سے دَین کو لکھنے سے پریشان اور سست نہ ہو جاؤ۔[100] صَغِيْرًا " اَوْ كَبِيْرًا کی وضاحت: علامہ قرطبیؒ المتوفی 671ھ تفسیر قرطبیؒ میں لکھتے ہیں: صَغِيْرًا " اَوْ كَبِيْرًا یہ دونوں تَكْتُبُوْهُ" کی ضمیر سے حال ہیں اور صَغِيْرًا کو اس کے خاص اہتمام کے سبب مقدم ذکر کیا گیا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ قرض کی یہ مقدار تو بالکل قلیل ہے مجھے اسے لکھنے کی ضرورت نہیں تو پس اللہ تعالیٰ نے قلیل اور کثیر میں لکھنے کی تاکید فرما دی مگر ہمارے علماء نے اس چیز کے بارے میں یہ حکم دیا جو چیز کم ہو اور نفس کا اس کی طرف جھکاؤ نہ ہو تو اس کو لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔[101] اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ کی وضاحت: امام فخر الدین رازی المتوفی 604ھ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں: اَقْسَطُ کا معنیٰ: اَعْدَلُ یہ تحریر زیادہ عدل کرنے والی ہے اللہ کے نزدیک اور یہ شہادت کو صحیح کرنے والی اور محفوظ بنانے والی ہے یعنی قلیل اور کثیر مقدار کو لکھ لیا جائے اور اس پر گواہ بنا لیا جائے، کیونکہ حسن ترتیب میں اللہ تعالیٰ کا ذکر مقدم ہوتا ہے اور دنیوی معاملات بعد میں ہوتے ہیں۔[102] اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ کی وضاحت: علامہ قرطبیؒ المتوفی 671ھ تفسیر قرطبیؒ میں لکھتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے ان پر لکھنے کی مشقت کو ملاحظہ فرمایا تو اس کے ترک پر نص بیان فرمائی اور ہر اس چیز میں حرج کو اٹھا دیا جو نقد و نقد ہو۔ اور اغلباً یہی بیع ہوتی ہے جبکہ وہ قلیل شے میں ہو مثلاً کھانے پینے کی اشیاء وغیرہ میں نہ کہ کثیر میں جیسا کہ املاک وغیرہ (یعنی املاک کی خرید و فروخت میں چونکہ عوض کثیر ہوتا ہے اس لیے اسے لکھنا لازم ہے) علامہ ضحاک نے کہا ہے کہ یہ رخصت اس سودے میں ہے جو دست بدست ہو۔[103]

وَ اَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَ لَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّ لَا شَهِيْدٌ ۬ؕ وَ اِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ؕ

"اور جب تم خرید و فروخت کرو تو گواہ بنا لیا کرو نہ کسی لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو اگر تم نے ایسا کیا تو بے شک تمہارا گناہ ہو گا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں اللہ تعالیٰ تمہیں سکھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔"

---

[99] ملا جیون، التفسیرات الاحمدیہ، ص:127

[100] ملا جیون، التفسیرات الاحمدیہ، ص:127

[101] القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج3، ص:381

[102] الرازی، مفاتیح الغیب، ج7، ص؛125

[103] القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج3، ص:382

مفتی شفیع عثمانی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: آیت دَین کی ابتداء میں کاتب اور گواہ بننے والوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ کاتب یا گواہ بننے سے انکار نہ کریں، تو یہاں پر یہ احتمال تھا کہ لوگ ان کو پریشان کریں گے اس لئے آیت کے آخر میں فرمایا (وَ لَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّ لَا شَہِیۡدٌ) یعنی کسی لکھنے والے کو یا گواہی دینے والے کو نقصان نہ پہنچایا جائے، اسی وجہ سے فقہاء نے کہا کہ لکھنے والا اگر اپنی کتابت کی اجرت لے یا گواہ اپنے آنے جانے کا کرایہ مانگے تو یہ اس کا حق ہے اس کو ادا نہ کرنا بھی اس کو نقصان پہنچانے میں داخل ہے اور یہ ناجائز ہے۔[104] سید سعادت علی قادری مذکورہ آیت کے اس حصہ کے تحت لکھتے ہیں: کہ کاتب اور گواہ کو تکلیف دینے کا معنیٰ یہ ہے کہ جن کے خلاف فیصلہ ہو وہ ان کے دشمن بن جائیں اور انہیں ہر طرح سے ڈرائیں اور دھمکائیں اور ان کو بار بار عدالت کے چکر لگوائے جائیں جیسا کہ آج کل معاشرے میں ہو رہا ہے، ایسے حالات میں نہ تو کاتب عدل وانصاف کے ساتھ وثیقہ لکھیں گے اور نہ گواہ حق اور سچی گواہی دینے کے لیے تیار ہوں گے بلکہ وہ اپنی ذمہ داری پوری کرنے سے کترائیں گے۔ انصاف کو عام کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کاتب اور گواہوں کو پریشان نہ کیا جائے اور انہیں کسی قسم کا خطرہ لاحق نہ ہو انہیں پورا پورا تحفظ دیا جائے یہ قرآن کا فیصلہ ہے۔[105]

نتیجہ بحث:

اسلام کے ان مذکورہ احکام پر اگر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس قدر ان احکام و مسائل میں ربط رکھا ہے، اگر یہ ربط ختم ہو جائے تو اسلام کے ان قوانین پر عمل کرنا ممکن نہیں رہتا، اگر اسلامی قوانین سے فائدہ حاصل کرنا ہے تو ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی نظام کو مکمل طور پر اپنایا جائے، کیونکہ ہمارا دینِ اسلام کامل دین ہے قرآن میں عبادات، عقائد کے ساتھ ساتھ معاملات کے احکام بھی مذکور ہیں، لین دَین کے معاملات میں حفاظت مال کے لئے اللہ تعالیٰ نے درج ذیل احکام کو وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

1۔ جب تم مقرر مدت تک کسی کے ساتھ قرض ادھار کا لین دَین کرو یا کسی قسم کی خرید و فروخت ہو مثلاً ادھار پر مال دیا اور اسکی قیمت بعد میں وصول کرنی ہے، اور اس طرح دَین کے تمام معاملات میں معاہدہ کو تحریر کر لو، یہ معاہدہ تحریر کرنا واجب تو نہیں ہے مگر اس پر عمل کر لیا جائے تو بہت سے نقصانات سے بچا جا سکتا ہے۔

2۔ معاہدہ لکھنے والا انصاف کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھے تاکہ کوئی کمی بیشی واقع نہ ہو اور جب اسے لکھنے کیلئے بلایا جائے تو وہ انکار بھی نہ کرے۔

3۔ فَلۡیَکۡتُبۡ تو اسے لکھ دینا چاہیئے۔ ایک ہی حکم کو ایک ہی آیت میں چار بار دہرایا گیا ہے اس سے پتہ چلا کہ لین دَین میں معاہدہ لکھنے کی بڑی اہمیت ہے۔

4۔ دَین کا معاہدہ لکھوانا مقروض پر لازم ہے اور اسے لکھواتے ہوئے کچھ بھی نہ چھپائے۔

5۔ اگر مقروض کسی عذر کی وجہ سے تحریر نہ کروا سکے تو اس کا ولی انصاف سے لکھوائے۔

---

[104] عثمانی، معارف القرآن، ج 1، ص: 678

[105] سید سعادت علی، تفسیر یاایہاالذین اٰمنوا، ج 1، ص: 314

6۔ دَین کے معاہدہ کو مزید پختہ کرنے کے لیے کتابت پر گواہ بھی بنائے جائیں اور گواہوں کو جب بلایا جائے تو وہ بھی انکار نہ کریں۔

7۔ دَین کا معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اسکو بھی لکھا جائے بعض دفعہ چھوٹا معاملہ ہی بڑے فساد کا موجب ہو جاتا ہے۔

8۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے جو بات اللہ تعالیٰ کو پسند ہو اگر اس پر عمل کیا جائے تو ہر قسم کے فسادات، جھگڑوں سے بچا جا سکتا ہے۔

9۔ عصر حاضر میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ شریعت کے ان اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے لین دَین میں کتابت کا اہتمام کیا جائے۔

10۔ عصر حاضر میں وثیقہ نویسی کو اور گواہی جیسی عظیم نعمت کو شریعت کے احکام کے مطابق استعمال کیا جائے تاکہ کسی کا حق ضائع نہ ہو۔

11۔ کتابت اور گواہی کا حکم اصل میں یہ اس چیز کی طرف رہنمائی کرتا ہے جس چیز میں ہمارے لیے بھلائی موجود ہے۔

12۔ کتابت اور گواہی نے ہمارے دین اور دنیا کے احتیاطی پہلوؤں کو واضح کر دیا ہے۔

13۔ جمہور مفسرین و فقہاء کے نزدیک کتابت کا حکم استحبابی ہے۔